61

حقیقی پکار خدا تعالیٰ کے لئے ہی ہے

(فرمودہ ۵- اگست ۱۹۳۲ء بمقام ڈلہوزی)

تشہد و تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

سورہ فاتحہ کی آیت اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ[1] کہ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں' ایک بھولی اور بھلائی ہوئی آیت ہے کہ قرآن مجید کے ماننے والوں اور ماننے والوں میں سے یقین کرنے والوں اور پھر یقین کرنے والوں میں سے کوشش کرکے اس پر عمل کرنے والوں میں سے بھی بہت کم لوگ ہیں جو اس کی اہمیت کو سمجھتے ہیں۔ دعا کا مسئلہ ایک ایسا نازک مسئلہ ہے کہ اس کے اندر جس قدر حکمتیں مخفی ہیں اور جس قدر باریکیوں کے ساتھ اس مسئلہ پر خدا تعالیٰ کی تقدیر عمل کرتی اور کراتی ہے' وہ اکثر لوگوں کی نظر سے مخفی رہتی ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ کئی لوگوں کے مونہہ پر دعا کا لفظ صرف اس وجہ سے چڑھا ہوا ہوتا ہے کہ ان کے ماں باپ اس لفظ کو استعمال کرتے تھے۔ حتیٰ کہ بعض اوقات ان کے کلّی طور پر دہریہ ہونے اور اس خیال پر قائم ہونے کے باوجود کہ دنیا میں کوئی سچا دین نہیں ہے' ان کے مونہہ سے نکل جایا کرتا ہے کہ دعا کرو۔ لیکن وہ عادت اور رسم کے ماتحت ہوتا ہے اور بالکل ایسا ہی ہوتا ہے جیسے ہمارے ایک دوست جن کی اس بات پر مجھ کو ہمیشہ ہنسی آجایا کرتی ہے کہ جب سلسلہ کے کاموں کے متعلق بعض انگریز حکام سے مل کر آتے ہیں تو ان کے مونہہ میں انشاء اللہ داخل کر دیا کرتے ہیں۔ مثلاً کہا کرتے ہیں کہ فلاں انگریز افسر کہتا تھا انشاء اللہ ایسا ہو جائے گا۔ جب ان سے پوچھا جائے کیا انگریز نے انشاء اللہ کہا تھا تو کہہ دیتے ہیں کہ نہیں اس نے تو نہیں کہا تھا۔ عادتاً میرے مونہہ سے نکل جاتا ہے۔

اسی طرح لوگ اپنے مونہہ میں رسمی طور پر دعا کرو' دعا کرو کے الفاظ داخل کر لیتے ہیں- چنانچہ جب ۱۹۰۵ء کا شدید زلزلہ آیا تو لاہور میڈیکل کالج کا ایک طالب علم جو دہریہ تھا اور اس وقت ایک مکان کی دیوار کے نیچے کھڑا تھا رام رام کہتا ہوا وہاں سے بھاگ گیا- لوگوں نے پوچھا کیا تو خدا کو مانتا ہے- اس نے کہا یونہی منہ سے نکل گیا تھا- ورنہ میں خدا کا قائل نہیں- بالکل ممکن ہے کہ اس وقت کی حالت کے مطابق اس کے دل میں خشیت الٰہی پیدا ہو گئی ہو یا ماں باپ سے سنا ہو ا رسمی طور پر لفظ اس کے مونہہ سے نکل گیا ہو- تو دعا کے متعلق بھی بہت سے لوگ ایسے ہی ہیں جن کو یقین یا خیال تو بالکل نہیں ہوتا کہ دعا بھی کوئی اثر رکھتی ہے مگر صرف عادتاً اسے دُہرا دیتے ہیں- مصیبت' تکلیف' ضرورت' لاچاری اور بیماری کے اوقات میں وہ دعائیں کرتے اور کراتے ہیں لیکن یہ سب کچھ رسم کے طور پر ہوتا ہے- ایک اور بڑی مشکل دعا کے مسئلہ میں یہ ہے کہ دعا ہم سے بظاہر ایک ایسی چیز کی مخالفت کراتی ہے جس کو ہم ہر روز بصراحت دیکھتے ہیں- اس لئے دعا کا قلب پر عام طور پر وہ اثر نہیں ہوتا جو ہونا چاہئے- اور وہ عالم اسباب ہے- مثلاً بظاہر پانی پینے سے پیاس بجھ جاتی ہے- روٹی کھانے سے ہم سیر ہو جاتے ہیں- محنت کرنے سے اس کا پھل پاتے ہیں- اس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر دعا کی کیا ضرورت ہے- بیمار اگر اپنی بیماری کے مناسب حال دوائی استعمال کرے گا تو اچھا ہو جائے گا اور اگر علاج نہیں کراتا تو دعا کے پورا ہونے کا یقین رکھنے والے بھی مانتے ہیں کہ وہ غلطی کرتا ہے- غرض عالم اسباب تو ہم کو یہ کہتا ہے کہ بغیر اسباب کے نتیجہ پیدا نہیں ہو سکتا- اور اسباب کے نتائج میں بظاہر کسی غیبی طاقت کا اثر معلوم نہیں ہوتا- مثلاً پیاس لگتی ہے اور پانی سے بُجھ جاتی ہے- سقے کو ہم ہر روز دیکھتے ہیں کہ پانی لاتا ہے- خدا کے فرشتے نہیں لاتے- کُنواں ایک مجسم چیز ہمارے سامنے ہے جس کو دیکھ کر ہم سمجھتے ہیں کہ ایک ذخیرہ ہے جس میں سے پانی آتا ہے- پھر اس ذخیرہ کو کھودا بھی ہمارے آدمیوں نے ہے- پھر پانی کے متعلق ہم دیکھتے ہیں' وہ بھی ایک قانون کے ماتحت ہے- اگر بارش ہو تو پانی کنووں میں آجاتا ہے- اور بارش نہ ہو تو کم ہو جاتا ہے- اور بارش کا پانی بھی خود قانون کے ماتحت ہے- یہ وہی پانی ہوتا ہے جسے سورج کی گرمی اُڑا کر لے جاتی ہے اور پھر پانی واپس آجاتا ہے- اگر پانی بھی نہ ہوتا بلکہ آسمانوں سے آتا تو اور بات تھی- غرض جتنی دور ہم چلتے جائیں ہم کو اسباب ہی اسباب نظر آتے ہیں- کوئی کام ایسا نہیں نظر آتا جو اسباب کے بغیر ہو مثلاً کھانے پینے' رہنے سہنے اور دوستوں کے ساتھ معاملات کرنے میں غرض ہر چیز میں ہم دیکھتے ہیں کہ اسباب کا سلسلہ جاری ہے ایک منٹ کے لئے

بھی ہم اسباب سے غافل نہیں ہوتے۔ اور ان لوگوں پر جو اسباب سے غافل ہوتے ہیں ہم ہنستے ہیں۔

ایک دفعہ میں ریل میں سوار تھا۔ پیر جماعت علی شاہ صاحب بھی اسی گاڑی میں تھے۔ ان کو مجھ سے کوئی غرض تھی اس لئے وہ مجھ سے محبت کی باتیں کرنے لگ گئے۔ انہوں نے خشک پھل میرے سامنے رکھا اور خواہش کی کہ میں کھاؤں مگر بوجہ نزلہ کی تکلیف کے میں کھا نہیں سکتا تھا اور ویسے بھی طبیعت مائل نہ تھی کیونکہ ان کے فتویٰ کی وجہ سے جو انہوں نے احمدی جماعت کے متعلق دیا تھا کہ جو ان سے ملے گا یا بات کرے گا اس کی بیوی کو طلاق ہو جائے گی اور ان کی سلسلہ احمدیہ کے ساتھ مخالفت کی وجہ سے بھی میرا دل نہیں چاہتا تھا کہ ان کی چیز کھاؤں۔ بہرحال میں نے معذوری کا اظہار کیا کہ مجھے نزلہ ہے۔ اس پر انہوں نے عام پیروں کی طرح کہا بیماری اور صحت تو خدا کی طرف سے آتی ہے۔ بظاہر یہ تقدیر اور دعا پر بڑے یقین کا اظہار تھا۔ میں نے کہا پیر صاحب آپ نے بڑی غلطی کی۔ آپ نے اپنا روپیہ بھی ضائع کیا اور میرا بھی۔ آپ نے لاہور سے امرتسر آنا تھا اور مجھے قادیان۔ ہم لاہور ہی میں بیٹھے رہتے۔ اگر خدا کو منظور ہوتا تو وہ آپ کو امرتسر اور مجھ کو قادیان پہنچادیتا۔ ہمیں ٹکٹ خریدنے کی کیا ضرورت تھی۔ اس پر انہوں نے کہا اسباب بھی تو ہوتے ہیں۔ میں نے کہا اس بناء پر میں نے اپنا عُذر پیش کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم نہ صرف اسباب سے کام لیتے ہیں بلکہ جو لوگ ان سے کام نہیں لیتے ان پر ہنستے ہیں۔ اور اس کے ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ دعا بھی ضروری ہے۔ غرض یہ ایک ایسی مشکل ہے جسے دیکھتے ہوئے اکثر لوگ پھسل جاتے ہیں اور خدا کی قدرت کا انکار کر دیتے ہیں۔ لیکن یاد رکھو ایسے لوگوں کا سطحی ایمان ہوتا ہے۔ اس پر غور و فکر کرنے کے بغیر وہ دعا دعا کرتے رہتے ہیں اور انہوں نے کبھی ان مشکلات پر غور نہیں کیا ہوتا جو دعا کے راستے میں حائل ہیں۔ گویا دنیا کے لوگوں کی حالت اس موقع پر وہی ہوتی ہے کہ۔

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردہ
بازمے گوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش

یعنی پہلے تو مجھے سمندر میں لاکر پھینک دیا پھر کہتے ہو دیکھنا کہیں کپڑے نہ گیلے ہو جائیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ جہاں ہم ان اسباب پر غور کرتے ہیں جن سے روزانہ فائدہ اٹھاتے ہیں وہاں ایک چیز کو نظرانداز کر دیتے ہیں۔ ہماری زندگی میں کئی مواقع ایسے پیش آتے ہیں کہ ہمارے پاس

سامان رہتا ہی نہیں۔ لیکن ان موقعوں پر اپنی ضرورتوں کا پورا کرنا اشد ضروری ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ [1] یعنی اگر تم سوچو تو بے شک اسباب بھی ہیں۔ لیکن دَعْوَةُ الْحَقِّ تو اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے۔ یعنی وہ پکار جس کا جواب دیا جاتا ہے خدا ہی کی پکار ہے۔ اسباب اور خدا تعالیٰ کی پکار میں فرق یہ ہے کہ اسباب کو بھی انسان پکارتا ہے لیکن وہ پکارنا درحقیقت اسباب کے پاس خود جانا ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص کنویں پر جاکر کہے آجا پانی میرے مونہہ میں آجا تو پانی اس کے مونہہ میں نہیں آئے گا۔ خواہ وہ کتنا ہی چلاتا رہے۔ درحقیقت جب تم یہ کہتے ہو کہ پانی نے ہمیں سیر کیا تو اس وقت پانی نے سیر نہیں کیا ہوتا بلکہ تم نے خود اپنے آپ کو پانی کے واسطے سے سیر کیا ہوتا ہے۔ جب کوئی پانی کو پکارتا ہے تو پانی اسکے پاس نہیں آتا بلکہ وہ پانی کے پاس جاتا ہے۔ اسباب تک تو انسان کو جانا پڑتا ہے لیکن دعا اس وقت کام آتی ہے جب اسباب ختم ہو جاتے ہیں۔ اور ہمارے اختیار سے باہر ہو جاتے ہیں۔ وقت اور اسباب کا مہیا ہونا اللہ تعالیٰ کے خاص فضل پر موقوف ہوتا ہے۔ اور اسی کو پکارنا اس وقت کام آتا ہے نہ کہ اسباب کو پکارنا۔ اور نہ ہی کوئی انہیں پکارتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ یعنی حقیقی پکار اللہ کے لئے ہی ہوتی ہے۔ ہم اسباب کو استعمال کرتے ہیں لیکن کبھی یہ نہیں ہوتا کہ روٹی یا پانی یہ کہیں کہ چلو آج فلاں کی ٹانگ ٹوٹی ہوئی ہے ہم اسکے پاس چلے جائیں۔ مگر خدا یہ کرتا ہے کہ جب انسان کے پاس سامان نہیں رہتے تو وہ خود سامان مہیا کر دیتا ہے۔ یا بغیر سامان کے ہی کام کر دیتا ہے۔ غرض دعا کا ایک ایسا مقام ہے جو اسباب میں اور دعا میں فرق کرتا ہے اور کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ نظارہ کسی نے بھی نہیں دیکھا۔ بات یہ ہے کہ اعلیٰ درجہ کی چیز اعلیٰ درجہ کے لوگوں کو ملتی ہے۔ اگر کوئی نہیں دیکھتا تو اس لئے کہ وہ اس قابل نہیں جن لوگوں نے کامل محبت کے نمونے دکھائے ان کو ایسے کرشمے دیکھنے کا موقع ملا۔ آخر محبت ہی ہے جو دوسری محبت یعنی محبت الٰہی کو کھینچتی ہے۔

عمرو بن عاص بیان کرتے ہیں کہ اسلام لانے سے پہلے مجھے آنحضرت ﷺ سے اس قدر دشمنی تھی کہ میں آپ کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنا پسند نہیں کرتا تھا۔ اور یہ کہ میرا اور آپ کا ایک چھت کے نیچے جمع ہونا ناممکن تھا۔ لیکن آخر محبت نے یہ حالت پیدا کر دی کہ جب وہ مسلمان ہوئے تو انہیں آپؐ کے قرب سے زیادہ اور کوئی چیز پیاری نظر نہ آتی تھی۔ اور حیاء کی وجہ سے وہ آنکھ اٹھا کر آپ کی طرف نہ دیکھ سکتے تھے [2]۔ اسی طرح حضرت عمرؓ کو دیکھو یا تو وہ وقت تھا کہ رسول کریم ﷺ کے قتل کے لئے اپنے گھر سے تلوار لے کر نکلے یا پھر وہ وقت آیا کہ تلوار لے

کر کھڑے ہو گئے کہ میں اس شخص کا سر اُڑا دوں گا جو یہ کہے گا کہ آنحضرت ﷺ فوت ہو گئے ہیں۔ کتنا عظیم الشان فرق معلوم ہوتا ہے کہ ایک شخص ایک وقت تلوار لے کر مارنے کے لئے جاتا ہے اور دوسرے وقت وہی تلوار لے کر کھڑا ہو جاتا ہے کہ جو آنحضرت ﷺ کو فوت شدہ کہے گا میں اس کی گردن اُڑا دوں گا[۴]۔ یا تو وہ آپ کی زندگی کا خاتمہ کرنے کے لئے جاتا ہے یا یہ بھی برداشت نہیں کر سکتا کہ کوئی مونہہ سے بھی کہے کہ آپ فوت ہو چکے ہیں۔ یہ نتیجہ تھا اس محبت اور اخلاص کا جو آنحضرت ﷺ کو دشمنوں تک کے ساتھ تھا۔ قرآن کریم میں رسول کریم ﷺ کے متعلق آتا ہے عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ[۵] کہ تمہاری تکلیف اس سے دیکھی نہیں جاتی۔ یہ وہ محبت تھی جس نے ارد گرد کے لوگوں کے دلوں میں آپ کی ایسی محبت کا بیج بو دیا کہ صحابہ ہر طرح کی قربانی کے لئے تیار ہو گئے اور دشمنی چھوڑ کر آپ کے جانی دوست بن گئے۔ یہ صحیح ہے کہ ہر انسان ایسے نشان نہیں دیکھتا لیکن نشان دیکھنے کے لئے خدا کی محبت کا ہونا لازمی ہے۔ اگر بندہ کے دل میں خدا کی محبت نہیں تو خدا کی محبت اسکے مقابل پر نازل نہیں ہوتی اور اگر ایک شخص خطا کار بھی ہو لیکن اللہ تعالیٰ کی محبت اس کے دل میں ہو تو خدا کی محبت اس پر ضرور نازل ہو گی۔ جیسے ماں باپ اپنے خطا کار بچے سے بھی محبت رکھتے ہیں کیونکہ بچے کے دل میں بھی ماں باپ کی محبت مرکوز ہوتی ہے۔

پس اگر ہم غور سے دیکھیں تو ایسے بہت سے انسان نظر آجاتے ہیں جن کے کام بغیر ظاہری اسباب کے بن جاتے ہیں۔ بلکہ میں تو یقین رکھتا ہوں کہ اگر انسان خود اپنے حالات پر ہی غور کرے تو اسے اپنی زندگی میں ہی کئی موقعے ایسے نظر آئیں گے جن کا نام وہ اتفاق رکھ لیتا ہے حالانکہ وہ خدا کی طرف سے محبت کا اظہار ہوتا ہے۔ اب اس کا تو کوئی علاج نہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کسی سے محبت کا سلوک کرے تو وہ کہہ دے کہ یہ فلاں سبب کا نتیجہ اور ایک اتفاقی بات ہے لیکن حق یہ ہے کہ ایسے مواقع پر اس کو ماننا چاہئے کہ اس کے پیچھے کوئی مخفی طاقت تھی جو کام کر رہی تھی اور وہ خدا تعالیٰ کی محبت تھی۔

ابو جہل کی زندگی میں بھی کئی ایسے واقعات ہوئے ہوں گے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ اور دعا کی ہو گی اور وہ پوری ہو گئی ہو گی۔ اور مؤمنوں کی زندگی میں تو ایسے بہت واقعات ہوتے ہیں کہ خدا نے بظاہر بغیر اسباب کے انکے کام کر دیئے۔ یہی ہے دَعْوَةُ الْحَقِّ یعنی حقیقی پکار جس کی طرف قرآن کریم اشارہ فرماتا ہے۔ باقی تمام چیزوں کی پکار برائے نام ہوتی ہے۔ ان کو

انسان پکارتا تو ہے لیکن جاتا خود انکے پاس ہے۔ پس ان کو پکارنا مصنوعی اور بناوٹی ہوتا ہے۔ لیکن خدا کی پکار حقیقی پکار ہے کیونکہ خدا بندے کے پاس آتا ہے، بندہ خدا کے پاس نہیں جاتا۔ حقیقی پکار خدا کے لئے مخصوص ہے۔ اسباب کے پاس ہم کو جانا پڑتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی مدد اور نصرت ہر وقت ہمارے شامل حال رہتی ہے۔ اگر انسان اپنی پیدائش سے پہلے کی حالت پر غور کرے پھر پیدا ہونے کے بعد کی حالت کو دیکھے تو اس کو نظر آجائے کہ کئی سامان ہیں جو اللہ تعالیٰ اس کے لئے کرتا ہے۔ اور اس کے پاس لے جاتا ہے۔ پس استعانت اور استمداد در حقیقت اللہ تعالیٰ سے ہی ہو سکتی ہے اور وہ صرف خدا ہی ہے جو کسی کی مدد کرتا ہے اس لئے خدا کے علاوہ یقینی استعانت اور کسی سے ہوتی ہی نہیں۔ اور جس طرح اگر کوئی شخص پانی سے کہے کہ میں تجھ پر احسان کرتا ہوں کہ جب بھی مجھے پیاس لگتی ہے تجھے پیتا ہوں آگ نہیں کھاتا تو اس کا یہ کہنا پانی پر احسان نہیں ہو گا۔ اسی طرح اگر کوئی خدا سے استعانت مانگتا ہے تو خدا پر کوئی احسان نہیں کرتا بلکہ حقیقت کا اظہار ہے۔ اور خدا کے تعلقات کی سچائی کا اظہار ہے۔ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ ظاہر بین اور اسباب پر تکیہ رکھنے والوں کے نزدیک غلط معلوم ہوتی ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ اس سے بڑھ کر کوئی سچائی نہیں۔ حقیقی دعا تو ہے ہی خدا کے لئے باقی چیزوں سے استمداد میں ہم اپنی مدد آپ کرتے ہیں، وہ چیزیں ہماری مدد نہیں کرتیں۔ سوائے ذات الٰہی کے کہ ہم اس کی مدد نہیں کرتے بلکہ وہ ہماری مدد کرتا ہے۔ یہی ایک چیز ہے جو انسان کے کام آسکتی ہے اور اس چیز کو بھول جانا گویا ترقی کے راستوں کو اپنے اوپر خود بند کرنا ہے۔ دنیا کے بارے میں تو لوگ اسباب کی تدریج کے قائل ہیں۔ کوئی ایسا نہیں جو یہ کہے کہ کوئی کام آپ ہی آپ ہو جائے یا فوراً ہو جائے، مگر دین کے معاملہ میں ہر بات پر اعتراض کیا جاتا ہے۔ حالانکہ دین میں بھی تدریج ہے اور Classes ہیں۔ اگر کوئی لڑکا پرائمری میں داخل ہو اور انٹرنس کی کتابیں اٹھا کر کہے کہ ادہ میں نے تو کچھ بھی حاصل نہیں کیا اور سب کچھ چھوڑ کر چل دے تو یہ درست نہ ہو گا۔ کیونکہ اس کی ترقی تدریجی ہوتی ہے مگر ان چیزوں کو انسان دین میں مد نظر نہیں رکھتا۔ دین میں بھی مشکلات، لاچاریاں، دقتیں اور تاریکیاں پیش آتی ہیں جو آہستہ آہستہ ہی دور ہوتی ہیں لیکن اس کی طرف توجہ نہیں کی جاتی۔ پنجابی میں ایک مثل ہے "من حرامی تے حجتاں ڈھیر" کہ نیت خراب ہو تو بہانے بھی نکل آتے ہیں۔ اسی طرح لوگ دین کے لئے محنت نہیں کرنا چاہتے اور چاہتے ہیں کہ فوراً ان کو کچھ حاصل ہو جائے۔ اصل بات نیت کی ہوتی ہے۔ اگر مومن دَعْوَۃُ الْحَقِّ پر یقین کرتے ہوئے اس پر قائم ہو جائے تو وہ اتنے عرصہ

کے اندر جس میں وہ دنیا کی ترقیات حاصل کرتا ہے دین کی ترقیات بھی حاصل کرلے جو کبھی ختم نہ ہوں گی۔ ایسا کرنے کے لئے پہلے تحقیقات کرے۔ پھر خدا تعالیٰ کے متعلق یقین پیدا کرے پھر نتائج مل جائیں گے۔

پس اگر کوئی شخص فائدہ حاصل کرنا چاہتا ہے تو اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ پر غور کرے۔ اس سے وہ سب کچھ حاصل ہو جائے گا جس کو وہ حاصل کرنا چاہتا ہے۔

(الفضل ۲۸۔ اگست ۱۹۳۲ء)

۱۔ الفاتحة:۵

۲۔ الرعد:۱۵

۳۔ مسلم کتاب الایمان باب کون الاسلام یهدم ما قبله و کذا الحج و الهجرة

۴۔ اسد الغابة فی معرفة الصحابة جلد ۴ صفحہ ۱۱۵ تا ۱۱۸ مطبوعہ بیروت ۱۳۷۷ء ذکر عمرو بن عاص

۵۔ التوبة:۱۲۸